© rasailojaraid.com

احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

مولانا محمد تقی صاحب امینی۔ ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

گذشتہ سے پیوستہ

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر چوری کے مال کے دوگنے کا حکم دیا

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ہاتھ کاٹنے کے بجائے چوری کے مال کی دوگنی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ جس کا واقعہ یہ ہے:۔

حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرالی، ان غلاموں کو جب حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو انھوں نے چوری کا اقرار کرلیا جس پر حضرت عمرؓ نے کثیر بن الصلت کو حکم دیا کہ ان غلاموں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ کثیر جب حکم کی تعمیل کے لئے غلاموں کے پاس گئے تو آپ نے ان غلاموں کو واپس بلایا اور فرمایا:۔

اما واللہ لولا انی اعلم انکم تستعملونھم وتجیعونھم حتی ان احدھم لو اکل ما حرم اللہ علیہ لقطعت ایدیھم [1]

یاد رکھو! بخدا اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم لوگ غلاموں سے خوب کام لیتے ہو اور ان کو بھوکا رکھتے ہو یہاں تک کہ اگر کوئی مجبور ہو کر حرام چیز کھالے تو وہ حلال ہو جائے تو میں یقیناً ان کے ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے "مزنی" سے فرمایا کہ اونٹنی کی کیا قیمت ہوگی؟ انھوں نے جواب دیا چار سو، پھر آپ نے غلاموں کے آقا حاطب کو آٹھ سو درہم ادا کرنے کا حکم دیا۔

[1] اعلام الموقعین ص ۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۷) ایک مرتبہ امام احمدؒ بن حنبل سے پوچھا گیا کہ لوگ بھوک سے دوچار ہوں اور کوئی شخص ضرورت سے مجبور ہوکر چوری کرے تو کیا اس وقت بھی آپ قطعِ ید کا حکم دیں گے -؟ جواب میں فرمایا :

لا اذا حملته الحاجة علی ذلك والناس فی مجاعة وشدة ؀ | نہیں ! جب اس کو شدید حاجت مجبور کرے اور لوگ بھوک و تنگی کے دور سے گذر رہے ہیں -

یہ سارے واقعات سرسری نظر سے گذر جانے کے نہیں ہیں بلکہ غور و فکر کر کے ان کی روح تک پہونچنے کی ضرورت ہے -

واقعات و تصریحات کی روشنی میں نئے قوانین وضع کئے جائیں | اس طرح کے اور بھی واقعات، اور فقہ کی تصریحات موجود ہیں جن میں مختلف وجوہ کی بناء پر حدِ سرقہ نہیں نافذ کی جاتی ہے ان کی روشنی میں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ حدِ سرقہ کو اپنے محل میں برقرار رکھتے ہوئے سیاستِ شرعیہ کے ماتحت نئے قوانین وضع کئے جائیں جو شریعت کی روح کے موافق ہوں -

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی عبارت کا مطلب | لیکن یہ بات انتہائی غور و فکر کے باوجود بھی سمجھ میں نہ آسکی کہ ان حدود کو عرب کے رسوم و عادات کے مطابق قرار دے کر بطور "یادگار" پیش کیا جائے، جیسا کہ بعض حضرات نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارتوں کا یہی مفہوم بیان کیا ہے -

اگر حدود جیسے نصوصِ قطعیہ میں بھی رسوم و عادات کا چکر چلایا گیا تو قرآنِ حکیم کی کون سی "نص" اس زد سے محفوظ رہ سکے گی ؟

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ایک موقع پر فرمایا ہے :-

ولا یضیق کل التضییق علی الاٰخرین الذین یاتون بعد ویبقی علیھم فی الجملة ؀ | دوسرے لوگ جو بعد میں آئیں ان پر زیادہ تنگی نہ کی جائے اور یہ احکام فی الجملہ باقی رہیں گے -

چوں کہ "حدود" کا محلِ خاص اور ثبوت کا ایک معیار مقرر ہے، اس بنا پر لازمی طور سے اس کا دائرہ محدود ہوگا - اور زیادہ تنگی کی صورت نہ پائی جائے گی -

---

؀ اعلام الموقعین ص ۳۱ - ؀ حجۃ اللہ البالغۃ ج ص ۹۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی الجملہ باقی رہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بطور "یادگار" ان کو پیش کیا جاتا رہے بلکہ یہ ہے کہ اپنے محل میں باقی رکھتے ہوئے ان کے دائرہ کو وسیع نہ کیا جائے۔

حدود اللہ میں غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے حقوق اللہ ہونے کی حیثیت کو فراموش نہ کیا جائے ورنہ اصل موقف سمجھ میں نہ آئے گا اور طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔

تہمت کی چند صورتیں جن میں دوسری سزائیں ناگزیر ہیں

(۳) تہمت کی چند صورتیں جن میں حد نہیں واجب ہوتی ہے لیکن دوسری سزائیں ناگزیر ہوتی ہیں۔

(۱) جس کو تہمت لگائی گئی ہے اس کا عاقل بالغ مسلمان اور پاک دامن ہونا ضروری ہے اگر اس کے خلاف کوئی بات ہوگی تو حد نہ لگے گی۔

فلاحد علی قاذفہ ولکن یعزر لاجل الاذی ولبذاءۃ اللسان۔[۱]

اس کے تہمت لگانے والے پر حد نہ لگے گی لیکن تکلیف پہونچانے اور زبان کے پھوہڑپن کی وجہ سے دوسری سزا دی جائے گی۔

(۲) صرف زنا کی تہمت میں حد لگے گی اور وہ بھی صراحۃً ہونا چاہئے، اگر چوری وغیرہ کی تہمت لگائی تو حد نہ لگے گی بلکہ دوسری سزا دی جائے گی۔

ولا یحد القاذف بالکفر والسرقۃ ویعزر[۲]

کفر اور چوری کی تہمت لگانے والے کو حد نہ لگائی جائے بلکہ تعزیر کی جائے۔

(۳) جس کو تہمت لگائی گئی اگر وہ فسق وفجور میں مشہور ہے تو حد نہ لگے گی۔

فالمشہور بالفجور فلاحد علی قاذفہ[۳]

(۴) چاروں گواہ فاسق ہوں تو کسی پر حد نہ لگے گی[۴]

اس طرح کی اور بھی صورتیں ہیں جن میں تہمت کی حد نہیں واجب ہوتی ہے لیکن تہمت لگانے والے کو آزاد بھی نہیں چھوڑا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں جو چاہے کہتا رہے، ایسی تمام صورتوں کے لئے دوسری سزائیں مقرر کرنا

---

[۱] الاحکام السلطانیہ ص۲۰۰ - [۲] حوالۂ بالا - [۳] الجامع فی السیاسۃ الالٰہیہ - [۴] الخراج ص۹۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضروری ہے۔

ڈاکہ زنی میں حکومت کے اختیار کی وسعت

ڈاکہ زنی کے سلسلہ میں حکومت کے اختیارات کی وسعت کا ثبوت خود آیت کریمہ میں موجود ہے اور علامہ ابن تیمیہؒ کی درج ذیل تصریحات سے بھی ثبوت ملتا ہے:۔

للامام ان یجتھد فیھم فیقتل من رایٔ قتلہ مصلحۃ وان کان لم یقتل مثل ان یکون رئیسا مطاعًا فیھا ویقطع من رایٔ قطعہ مصلحۃ وان کان لم یاخذ المال مثل ان یکون واجلد وقوۃ فی اخذ المال۔ [1]

امام (حکومت) کو جائز ہے کہ ان کے بارے میں غور وفکر کرے جس کے قتل کرنے میں مصلحت ہو اس کو قتل کرنے کی اجازت ہے اگرچہ اس نے قتل نہ کیا ہو جیسے کوئی سردار اور پارٹی کا لیڈر ہو اور ہاتھ کاٹے جس کے ہاتھ کاٹنے میں مصلحت سمجھے اگرچہ اس نے مال نہ لیا ہو مثلاً کوئی شخص مال کے لینے میں نہایت قوی اور دلیر ہو

حق اللہ کے ساقط ہونے کے بعد حق العبد بدستور باقی رہتا ہے

تہمت، چوری، اور ڈاکہ زنی تینوں کی سزائیں ذکر کرنے کے بعد قرآن حکیم میں توبہ کی آیت مذکور ہے، مثلاً تہمت کے بعد ہے:۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۲۴/۵

لیکن جو لوگ تہمت کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

چوری کی سزا کے بعد ہے:۔

فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۵/۳۹

جو شخص توبہ کرلے اپنی اس زیادتی کے بعد اور اصلاح کرلے تو بیشک اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور رحمت والے ہیں۔

ڈاکہ زنی کی سزا کے بعد ہے:۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۵/۳۴

ہاں مگر جو لوگ گرفتاری سے پہلے توبہ کرلیں تو جان لو کہ بیشک اللہ بڑی مغفرت والے اور رحمت والے ہیں۔

[1] السیاسۃ الشرعیہ ص۳۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جرائم کی مذکورہ سزائیں توبہ کے بعد ساقط ہوجاتی ہیں۔ لیکن ہر وہ جرم جس میں حق اللہ اور حق العبد دونوں کی حیثیتیں پائی جاتی ہیں اُس میں جب توبہ سے حق اللہ ساقط ہوتا ہے تو حق العبد بدستور باقی رہتا ہے، جیسا کہ علامہ ماوردیؒ کہتے ہیں۔

فان تابوا قبل القدرة سقطت عنهم مع المأثم حدود الله ولم تسقط عنهم حقوق الآدميين۔[1]	اگر معاملہ عدالت میں جانے سے پہلے توبہ کرلیں تو گناہ مع حدود کے ساقط ہوجائیں گے۔ لیکن آدمیوں کے حقوق نہیں ساقط ہوں گے۔

عدالتی کارروائی شروع ہونے کے بعد توبہ سے صرف گناہ معاف ہوگا

عدالتی کارروائی شروع ہونے کے بعد چونکہ سچی توبہ مشکوک ہوجاتی ہے، اس بناء پر اس کا اثر صرف گناہوں کے ازالہ میں ظاہر ہوگا حدود اور حقوق اپنی جگہ باقی رہیں گے۔

فان تابوا عن جرائمهم بعد القدرة عليهم سقطت عنهم المأثم دون المظالم واخذوا بما وجب عليهم من الحدود والحقوق۔[2]	اگر قابو پانے کے بعد اپنے جرائم سے توبہ کی تو صرف گناہوں کی معافی ہوگی مظالم باقی رہیں گے، حدود اور حقوق جو واجب ہوئے ہیں ان کے لئے بدستور کارروائی ہوتی رہے گی۔

فرض کیجئے ڈاکوؤں کا ایک گروہ ڈاکہ زنی کرتا ہے اور گرفتاری سے پہلے وہ صدق دل سے توبہ کرلیتا ہے تو قاعدہ کے مطابق حد ساقط ہوجائے گی، کیوں کہ جس جرم کی یہ سزا تھی وہ جرم توبہ کے بعد زائل ہوچکا ہے اور اب اس حد کا کوئی محل نہیں باقی رہا ہے۔ لیکن چونکہ وہ معاشرہ اور سوسائٹی کے بھی مجرم ہیں اس بناء پر صاحب حق کو مطالبہ اور حکومت کو سزا کا حق باقی ہے۔

حدود اور حقوق کا فرق

حدود اور حقوق دو علیحدہ علیحدہ مطالبے ہیں اور دونوں کے احکام مختلف ہیں، حدود میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے وہ اللہ اور بندے کا معاملہ ہے اور حقوق میں صاحبِ حق اور حکومت کے اختیارات کافی وسیع ہیں۔

---

[1] الاحکام السلطانیہ ص۵۲۔ [2] ایضاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہدایہ میں ہے :-

ویقتلون حداً حتی لو عفا الاولیاء عنهم لا یلتفت الی عفوهم لانه حق الشرع [1]

ڈاکو حد میں قتل کئے جائیں اگر مقتول کے اولیاء معاف بھی کر دیں تو ان کی معافی کی طرف توجہ نہ دی جائے کیونکہ یہ شرع کا حق ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں :-

وهذه المطالبة والعقوبة حق لرب المال فان اراد هبتهم المال او المصالحة علیه او العفو عن عقوبتهم فله ذلک بخلاف اقامة الحد علیهم فانه لا سبیل الی العفو عنه بحال [2]

یہ مطالبہ اور سزا رب المال کا حق ہے اگر وہ ہبہ کر دے، صلح کرے اور معافی دیدے تو اس کو اختیار ہے - حد قائم کرنے کا معاملہ اس کے خلاف ہے اس میں ثبوت کے بعد معافی کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے۔

مزید وضاحت کے لئے سزاؤں کی تقسیم

مزید وضاحت کے لئے سزاؤں کی تقسیم درج ذیل ہے :-
ابتدائی تقسیم حد اور تعزیر ہے۔ پھر حد کی ۲ دو قسمیں ہیں :-

احدهما ما کان من حقوق الله تعالی
والثانی ما کان من حقوق الآدمیین۔

پہلی وہ جو حقوق اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری وہ جو حقوق العباد کے لئے خاص ہے

جو حدود حقوق اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں ان کی بھی ۲ دو قسمیں ہیں :-

احدهما ما وجب فی ترک مفروض و
الثانی ما وجب فی ارتکاب محظور

پہلی وہ جو کسی فریضہ کے ترک سے واجب ہوتی ہے اور دوسری وہ جو ممنوعات کے ارتکاب سے واجب ہوتی ہے

فریضہ کے ترک میں تارکِ صلوٰۃ وغیرہ داخل ہوں گے اور ممنوعات کے ارتکاب میں زانی[1]، چور[2]، ڈاکو[3] اور شرابی[4] داخل ہوں گے۔

---

[1] ہدایہ باب قطع الطریق ص ۵۳۵ - [2] السیاسۃ الشرعیۃ ص ۸۹ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ علامہ ماوردیؒ کہتے ہیں:-

وأما وجب بارتكاب المحظورات فضربان أحدهما ما كان من حقوق الله تعالى وهي أربعة حد الزنا وحد الخمر وحد السرقة وحد المحاربة والضرب الثاني من حقوق الآدميين شيئان حد القذف بالزنا والقود في الجنايات۔ [1]

ممنوعات کے ارتکاب سے جو سزائیں واجب ہوتی ہیں ان کی دوؔ قسمیں ہیں (۱) حقوق اللہ اور وہ چار ہیں، زانی، شرابی، چور اور ڈاکو کی حد (۲) حقوق العباد اور وہ دوؔ ہیں: تہمت بالزناء اور جنایات میں قصاص۔

حقوق اللہ ہونے کی حیثیت سے تارکِ صلوٰۃ کی سزا اور زانی، چور، ڈاکو، شرابی کے حدود ایک درجہ میں ہیں۔

اس تقسیم سے حدود کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے

مذکورہ تقسیم سے "حدود" کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے، قرآنی بیان تک محدود اور حقوق اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہتا ہے، چنانچہ صاحبِ ہدایہ نے قصاص کو محض اس بناء پر حدود سے خارج کر دیا ہے کہ اس میں حق العبد کو غلبہ ہے۔

وفي الشريعة هو العقوبة المقدرة حقا لله تعالى حتى لا يسمى القصاص حدا لأنه حق العبد ولا التعزير لعدم التقدير۔ [2]

شریعت میں "حد" بطور حق اللہ مقررہ سزا ہے قصاص کو حد اس بناء پر نہیں کہتے ہیں کہ وہ بندے کا حق ہے اور تعزیر کو اس بنا پر نہیں کہتے ہیں کہ اس کی مقدار مقرر نہیں ہے۔

اور بہت سے فقہاء نے شرابی کی سزا کو "حد" میں شامل کیا ہے، اگرچہ اس کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے جیسا کہ:

الحدود خمسة حد الزنا وحد الشرب وحد القذف وحد السرقة وحد قطع الطريق۔ [3]

حدود پانچ ہیں (۱) زناء کی حد (۲) شرابی کی حد (۳) تہمت کی حد (۴) چوری کی حد اور (۵) ڈاکہ زنی کی حد۔

تہمت اور قتل کی حد اس فہرست سے خارج ہیں اگرچہ قرآنِ حکیم میں ان کا ذکر موجود ہے اور بعض نے مرتد وغیرہ کی سزا کو شامل کر کے حدود کی مقدار سات تک بیان کی ہے۔ [4]

---

۱ الاحکام السلطانیہ ص ۱۹۴ و ۱۹۵ - ۲ ہدایہ کتاب الحدود ص ۴۸۶ - ۳ فتاویٰ سراجیہ ص ۱۱۱ - ۴ المحلی ج ۱۱ ص ۱۲۶ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدود کی دوسری تعریفیں | اس تفصیل کی صورت میں حدود کی یہ تعریف زیادہ موزوں رہے گی۔

الحد وھی الزواجر المقدرۃ الثابتۃ بالکتاب اوالسنۃ اوالاجماع [1]	"حد" وہ "زواجر" ہیں جو مقرر ہیں اور کتاب سنت یا اجماع سے ثابت ہیں۔

دوسری یہ ہے:-

الحدود زواجر وضعھا اللہ تعالیٰ للردع عن ارتکاب ما حظر وترک ما امر [2]	حدود وہ "زواجر" ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ممنوعات کے ارتکاب اور ماموارت کے ترک سے باز رکھنے کے لئے مقرر کیا ہے۔

زیادہ صحیح بات | ان تعریفوں کی بناء پر حدود کا دائرہ وسیع ہوجاتا ہے اور بعض تعزیرات بھی "حدود" میں شامل ہوجاتی ہیں اس بناء پر زیادہ صحیح صورت یہ ہے کہ حدود کو قرآنی بیان کے ساتھ محدود رکھا جائے اور باقی سزاؤں کو تعزیرات میں شامل کیا جائے بعض تعزیرات ایسی بھی ہوں گی جن کی دورِ خلافت میں سزا مقرر کتی، اور بعض کے بارے میں یہ دعویٰ بھی ہوگا کہ ان پر اجماع ہوچکا ہے، غرض ان سب میں حالات و زمانہ کی رعایت سے نصوص کی روشنی میں از سرِ نو حدبندی کی ضرورت ہوگی۔

"حدود" کو قرآنی بیان کے ساتھ محدود رکھتے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بحث کمزور نہیں ہوتی ہے۔ کیوں کہ جس جرم کا تعلق بندے سے ہے اس کا اللہ سے ہونا لازمی ہے۔ زناء۔ تہمت، چوری، ڈاکہ زنی اور قتل میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس میں دونوں کے حقوق نہ پامال ہوتے ہوں، اس بناء پر گذشتہ مباحث میں حقوق اللہ کو بنیاد بنا کر جو معیار قائم کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے۔

جن بعض فقہاء نے قتل اور تہمت کو حقوق العباد میں شامل کیا ہے وہ محض ظاہری پہلو کی بناء پر ہے ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان دونوں میں حقوق اللہ کا پہلو کمزور ہے۔ ورنہ زناء چوری اور ڈاکہ زنی کو صرف حقوق اللہ میں شامل کرنا پڑے گا۔ حالانکہ ہر سمجھ دار آدمی جانتا ہے کہ ان جرائم سے انسان کے کس قدر حقوق پامال ہوتے ہیں؟

---

[1] حاشیہ ہدایہ ص ۴۸۶۔ [2] الاحکام السلطانیہ ص ۱۹۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآنِ حکیم میں قتل کی سزا قصاص اور دیت دونوں ہیں

(۵) قرآنِ حکیم میں قتل کی سزا قصاص ہی نہیں مذکور ہے بلکہ "دیت" کا پورا انظام اور حالات و زمانہ کی رعایت سے اس کی تغیر پذیر صورتیں بھی اس سے وابستہ ہیں۔

قرآنِ حکیم میں ہے:-

وما کان لمؤمنٍ اَن یقتل مؤمنا الّا خطأً ومن قتل مؤمنا خطأً فتحریر رقبةٍ مؤمنةٍ ودیةٌ مسلّمةٌ الی اھلہٖ الّا ان یصّدّقوا ۴/۵۲	اور کسی مومن کی شان نہیں ہے کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے، اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور دیت ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کردی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کردیں۔

قصاص صرف ایک صورت میں ہے

فقہاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں قتل کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں:-
(۱) قتل عمد (۲) شبہ عمد (۳) قتل خطأ (۴) قائم مقام خطا اور (۵) قتل بسبب قصاص صرف پہلی صورت میں ہے اور بقیہ صورتوں میں قصاص کے بجائے (خون کی قیمت) ہے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من اصیب بدمٍ او خبلٍ فھو بالخیار بین احدی ثلاث فان اراد الرابعة فخذوا علی یدیہ ان یقتل او یعفوا او یاخذ الدیة الخ[۲]	جس شخص کو ناحق خون یا زخم کے قصاص کا مرحلہ درپیش ہو تو اس کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ (۱) قتل کردے (۲) معاف دیدے (۳) دیت لے لے۔ ان کے علاوہ اگر چوتھی کا ارادہ کرے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو۔

ساقط ہونے کی صورتیں

(۱) معافی کی صورت میں قصاص اور دیت دونوں ساقط ہوجاتے ہیں۔

(۲) ورثاء میں سے اگر ایک بھی معافی دیدے تو قصاص ساقط ہوجاتا ہے۔[۳]

(۳) مال پر اگر مصالحت ہوجائے تو صرف مال واجب ہوگا قصاص اور دیت دونوں ساقط ہوجائیں گے۔[۴]

(۴) اگر ایک شریک نے کسی عوض پر اپنے حصّہ سے مصالحت کرلی تو قصاص ساقط ہوجائے گا۔[۵]

---

[۱] قدوری ص۲۰۳ - [۲] ترمذی۔ [۳] الاحکام السلطانیہ ص۲۰۱ - [۴] قدوری - [۵] ایضاً -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوں کہ قتل کسی فرد یا چند افراد ہی کا جرم نہیں ہے بلکہ پورے معاشرہ اور حکومت کا بھی جرم ہے اس بناء پر حکومت کو سیاستِ شرعیہ کے ماتحت معافی کی صورت میں دوسری سزاؤں کا پورا اختیار رہے۔

خلیفہ ہارون الرشیدؒ کا واقعہ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں قاضی ابو یوسف نے ایک مقدمہ میں ضابطہ کے مطابق قصاص کا حکم دیا لیکن چوں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ تھا اس بناء پر ہارون الرشیدؒ نے قاضی صاحب کو بلا کر فرمایا۔

تدارك هذا الأمر بحيلة لئلا تكون فتنة

اس معاملہ کا کسی تدبیر سے کچھ تدارک کیجئے تاکہ آپ فتنہ کا سبب نہ بنیں۔

قاضی صاحب نے حسب الحکم تدبیر نکالی اور قصاص کو ساقط کر دیا۔[1]

علامہ ماوردیؒ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

والتوصل الی مثل هذا سائغ عند ظهور المصلحة فيه[2]

مصلحت کے وقت اس قسم کی تدبیروں تک پہونچنا درست ہے۔

ساقط ہونے کی صورت میں دوسری سزائیں جب حالات و مصلحت کی رعایت سے معقول وجوہ کی بناء پر حدِ قصاص ساقط کرنے کی اجازت ہے تو جن صورتوں میں دیت و قصاص دونوں نہ واجب ہوتے ہوں دوسری سزاؤں کے تجویز کرنے میں شبہ کی کیوں کر گنجائش نکل سکتی ہے؟ اور اگر یہ وسعت و رعایت بھی ناقابلِ برداشت ہے تو علامہ شامیؒ کے الفاظ میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

ان جمود المفتي او القاضي على ظاهر المنقول مع ترك العرف والقرائن الواضحة والجهل باحوال الناس يلزم منه تضييع حقوق كثيرة وظلم خلق كثيرين۔[3]

ظاہر نقول پر مفتی یا قاضی کا جمود اور عرف و قرائن سے غفلت اور لوگوں کے احوال سے بے خبری کی وجہ سے بہت سے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور خلقِ کثیر پر ظلم ہوتا ہے۔

پھر دیت قاتل پر نہیں بلکہ "عاقلہ" پر واجب ہوتی ہے جب قصاص و دیت قاتل سے دونوں ساقط ہو جائیں گے اور دوسری سزائیں بھی نہ مقرر ہوں گی تو قتل و غارت گری کس درجہ کو پہونچے گی؟ اور اس کے انسداد کی کیا تدبیریں ہوں گی؟

---

[1] الاحکام السلطانیہ ص ۲۰۲۔ [2] ایضاً۔ [3] عقود رسم المفتی ص ۵۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیت اور نظامِ عاقلہ | عاقلہ - قبائلی نظام میں ایک ایسا نظام تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں اس کے ذریعہ حادثات وخطرات کی تلافی کے لئے امدادِ باہمی اور اجتماعی جرمانہ کی شکل نکالی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بحالہٖ برقرار رکھا تھا لیکن افادیت کے پیشِ نظر خلفاء راشدین نے اس کو مزید تنظیمی شکل دی تھی، ابتداء میں یہ نظام صرف خاندان وقبیلہ تک محدود تھا لیکن بعد میں ضرورت کے ماتحت اس کو وسعت دیدی گئی تھی۔

عاقلہ کا نمایاں پہلو اگرچہ دیت سے تھا لیکن فقہ کی کتابوں میں جس انداز سے تذکرہ ہے اس سے مختلف حادثات وخطرات کے وقت اس نظام کو بروئے کار لانے کی عمومیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ

وتوجد هذه العادة بين الناس فان من لحقه خسران من سرقة اوحرق يجمعون له فالاهذا المعنى۔[1]

یہ عادت لوگوں میں پائی جاتی ہے کہ چوری یا آگ لگنے سے جس شخص کا نقصان ہوتا ہے لوگ اس کی مدد کے لئے مال جمع کرتے ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ان العبرة فی هذا للتناصر وقيام البعض۔[2]

اس میں باہمی امداد اور ایک دوسرے کو سہارا دینے کا اعتبار ہے۔

علامہ سرخسی کہتے ہیں:

کسی کو اطمینان نہیں ہے کہ وہ حادثات وآزمائش میں مبتلا ہو کر دوسروں کی مدد کا محتاج نہ ہوگا جب صورتِ حال یہ ہے تو لوگوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے تاکہ اس کے آڑے وقت میں دوسرے اس کی مدد کریں۔[3]

"عاقلہ" جو کچھ دیتا ہے اس کی حیثیت اجتماعی جرمانہ کی ہوتی ہے۔

ان العاقلة يتحملون باعتبار تقصيرهم وتركهم حفظه ومراقبته[4]

عاقلہ اس لئے دیت کا بار برداشت کرتے ہیں کہ وہ دوسروں کی نگرانی میں اپنی ذمہ داری نہیں محسوس کرتے اور ان سے کوتاہی ہوتی ہے۔

---

[1] شامی ج۵ ص۵۶۲۔ [2] فتاویٰ عالمگیری ج۶ ص۸۳۔ [3] المبسوط ج۲۷ ص۱۲۷۔ [4]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرتِ عمرؓ کے زمانہ میں نظامِ عاقلہ کی وسعت

حضرتِ عمرؓ کے زمانہ میں حالات کی تبدیلی سے جب معاشرتی زندگی کی نئی تنظیم وجود میں آئی تو انھوں نے عاقلہ کے نظام کو وسعت دی اور یہ قانون مقرر کیا۔

والعاقلة اهل الديوان ان كان القاتل من اهل الديوان [1] — اگر قاتل اہلِ دیوان سے ہے تو عاقلہ اہلِ دیوان ہوں گے۔

اہلِ دیوان میں ایک دفتر یا محکمہ کے لوگ شامل ہوتے تھے جن کے نام ایک رجسٹر میں درج ہوتے تھے، اس تبدیلی پر علامہ سرخسیؒ کی یہ رائے ہے:

"رسول اللہؐ نے دیت کی ذمہ داری خاندان وقبیلہ پر اس لئے ڈالی تھی کہ اس وقت قوت و مدد انہیں کے ذریعہ حاصل ہوتی تھی پھر حضرتِ عمرؓ نے جب دفاتر کا نظام مرتب کیا تو یہ قوت و مدد اہلِ دفاتر سے وابستہ ہوگئی تھی۔[2]

حالات وزمانہ کی رعایت سے نئے نظام کی ضرورت

اگر ہم پیشہ وہم مشرب لوگوں سے یا یونین و انجمن کے ممبروں سے نیز جماعت کے متوسلین و پیر کے مریدین سے باہمی قوت و مدد حاصل ہونے کی توقع ہو تو ان سب کو قانونی شکل دینے کی اجازت ہے جیسا کہ:

لو كان اليوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم اهل الحرفة [3] — اگر آج باہمی مدد ہم پیشہ لوگوں سے ہو سکتی ہے تو عاقلہ ہم پیشہ لوگ قرار پائیں گے۔

حالات وزمانہ کی رعایت سے حکومت کے لئے ضروری ہے کہ حادثات، وخطرات کے وقت باہمی مدد کیلئے مختلف قسم کی تنظیمیں قائم کرے یا موجودہ تنظیموں پر اس قسم کی ذمہ داریاں عائد کرے کہ ان کے ذریعہ مالی نقصان وحادثہ کی تلافی کا بندوبست ہو سکے۔ غرض دیت کا پورا نظام حالات وزمانہ کی رعایت سے ازسرِنو مرتب کرنیکی ضرورت ہے ورنہ وہ حکومت کا قانون نہ بن سکے گا

شرابی کی سزا

شرابی کی سزا کا ذکر اگرچہ قرآنِ حکیم میں نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سے اس کی خاص اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ اہمیت وقتی اور عارضی نہیں ہے بلکہ مستقلاً اور دائمی ہے جس کی ہر دو

---

[1] ہدایہ ج ۴ ص ۶۲۹ [2] المبسوط ج ۲۷ ص ۱۲۷ [3] ہدایہ ج ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومعاشرہ میں ضرورت رہتی ہے۔

اسلام نے انسان کی پاکیزہ زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس میں شراب، اخلاقی ونفسیاتی اثرات کے لحاظ سے "ام الخبائث" کی حیثیت رکھتی ہے، کسی برائی کے عام ہوجانے یا اونچے درجہ کے لوگوں سے متعلق ہونے سے اس کی حیثیت میں فرق نہیں آتا ہے بلکہ خباثت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے، عیاشی وفحاشی کی دن بدن جو نئی نئی شکلیں ایجاد ہو رہی ہیں ان میں شراب نوشی کو خاص دخل ہے۔ یہ کافر جب مُنہ کو لگتی ہے تو نہ صرف یہ کہ اپنے جلو میں فوائد کی دلیلیں رکھتی ہے، بلکہ جواز کے لئے طرح طرح کی تاویلوں پر بھی مجبور کرتی ہے، لیکن یہ سب کچھ مُنہ لگنے کے بعد ہوتا ہے ورنہ جہاں تک طبی واخلاقی اثرات کے لحاظ سے اس کے مضر اثرات کا تعلق ہے کسی دور میں بھی دو رائیں نہیں رہی ہیں۔

شراب کی اسی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبانی تبلیغ پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ مجرموں کے لئے عملی تدابیر اور سزائیں بھی تجویز کی ہیں۔

رسول اللہؐ اور خلفاء کا طرزِ عمل

مثلاً ایک موقع پر:

(۱) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی برجل قد شرب الخمر فجلدہ بجریدتین نحو اربعین الخ [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی تھی آپؐ نے کھجور کی شاخ سے چالیس ضربیں لگوائیں۔

دوسری جگہ جوتوں سے پٹوانے کی سزا منقول ہے:

قد ثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ ضرب فی الخمر بالجرید والنعال اربعین۔ [۲]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے شراب میں کھجور کی شاخ اور جوتوں سے مارنے کا حکم دیا۔

رسول اللہؐ کے بعد جب حضرتِ ابوبکرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انھوں نے بھی چالیس ضربوں کا معمول بنایا، ابتداء میں حضرتِ عمرؓ اسی پر کاربند رہے۔ لیکن بعد میں بعض مصالح کی بناء پر انھوں نے شرابی کی سزا اسّی

---

۱ بخاری ومسلم۔ ۲ السیاسۃ الشرعیۃ ص ۱۰۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضربیں مقرر کر دی تھیں۔[1]

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ولید کو چالیس ضربیں لگوائیں اور فرمایا:

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنۃ وھذا احب الیّ۔[2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ نے چالیس اور حضرت عمرؓ نے اسّی ضربیں ماریں یہ سب سنت ہیں لیکن مجھے چالیس ہی پسند ہیں۔

حضرت علیؓ سے چالیس اور اسّی دونوں منقول ہیں۔

وکان علی رضی اللہ یضرب مرۃ اربعین ومرۃ ثمانین۔[3]	حضرت علیؓ کبھی چالیس اور کبھی اسّی مارتے تھے۔

طرزِ عمل میں اختلاف اور تنوع اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عادی مجرموں کے لئے بطور تہدید قتل کی دھمکی منقول ہے۔

فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ[4]	اگر چوتھی مرتبہ شرابی لایا جائے تو اس کو قتل کر دو۔

مقصود سختی اور تہدید ہے قتل نہیں ہے، کیونکہ ایک شخص کو جو چوتھی مرتبہ شراب نوشی میں ماخوذ ہوا تھا آپؐ نے قتل کی سزا نہیں دی۔[5]

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف "اضربو" (مارو) فرمایا۔ جس پر صحابہ کرام نے اس طرح عمل کیا۔

فمنا الضارب بیدہ ومنا الضارب بنعلہ ومنا الضارب بثوبہ[6]	ہم میں سے کسی نے اپنے ہاتھ سے مارا۔ کسی نے جوتے سے مارا اور کسی نے کپڑے سے مارا۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ اُسے غیرت دلاؤ۔ تو لوگوں نے اس طرح غیرت دلائی۔

اما اتقیت اللہ اما خشیت اللہ اما استحییت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[7]	کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا ہے کیا تجھ میں خوفِ خدا نہیں باقی رہا۔ کیا تجھے رسول اللہ سے شرم نہیں آتی ہے۔

[1] السیاسۃ الشرعیہ ص ۱۰۵۔ [2] مسلم و ابوداؤد، [3] السیاسۃ الشرعیہ ص ۱۰۵۔ [4] ترمذی وغیرہ۔ [5] ترمذی۔ [6] بخاری و ابوداؤد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرتِ عمرؓ سے شراب کی سزا میں جلاوطنی، سر منڈانا اور بعض اعیانِ حکومت کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کرنا بھی ثابت ہے۔[۱] اور حضرتِ سعد بن ابی وقاص سے قید کرنا ثابت ہے۔[۲]

اسّی ضرب پر اجماع کا قول زیادہ صحیح نہیں ہے

ان مختلف سزاؤں سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت نے اس کی تحدید نہیں کی ہے بلکہ حالات کی رعایت سے حکومت کے اختیارات کی وسعت تسلیم کی ہے۔

جن بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسّی ضرب پر صحابۂ کرام کا اجماع ہو چکا ہے اب اس کی خلاف ورزی کی گنجائش نہیں ہے، ان کے غور و فکر کے لئے خود صحابہؓ ہی کے طرزِ عمل سے اوپر خلاف ورزی ثابت کی جا چکی ہے، اس طرح کے اور بھی "اجماع" ہیں جو وقتی طور پر صحابہؓ کے مشورہ سے وجود میں آئے تھے لیکن بعد میں ان کو دائمی درجہ دیدیا گیا ہے۔

غرض حکومت کے لئے ضروری ہے کہ حالات و زمانہ کی رعایت سے شرابی کے لئے مختلف سزائیں مقرر کرے لیکن ہمیشہ کے تجربہ سے ثابت ہے کہ اس قسم کے مجرموں کے لئے صرف سزائیں ناکافی ہیں۔

ایک مریض جس کے اعضائے رئیسہ ماؤف ہو گئے ہوں اس کو محض ضابطہ کی خانہ پُری سے نہیں بلکہ مکمل علاج ہی سے فائدہ ہو سکتا ہے، اور اس علاج کے لئے ضمیر کی بیداری اور ایسی تدبیروں کے بغیر چارہ نہیں ہے جو "نفس" کو جھنجھوڑ کر رکھ دیں، اس کا بہترین ذریعہ یوم آخرت پر ایمان اور جزا و سزا پر یقین ہے، جیسا کہ اس کا کامیاب تجربہ دورِ اول میں ہو چکا ہے۔

حدود کے علاوہ حکومت جرائم کی جو سزائیں بھی تجویز کرے گی شریعت کی اصطلاح میں وہ تعزیر کہلائیں گی۔

تعزیر میں حکومت کے اختیارات کافی وسیع ہیں

تعزیر کی یہ تعریف ہے:

تادیب علی ذنوب	ان گناہوں پر تادیبی کارروائی
لم تشرع فیھا الحدود[۳]	جن میں حد نہیں مقرر ہے

تعزیر میں حالات و زمانہ کی رعایت سے حکومت کے اختیارات کافی وسیع ہیں۔

والتعزیر مفوض الی رائ الامام[۴]	تعزیر امام (حکومت) کی رائے کے سپرد ہے

---

[۱] السیاسۃ الشرعیہ ص ۱۰۵۔ [۲] الخراج لابی یوسف۔ [۳] الاحکام السلطانیہ ص ۲۰۵۔ [۴] نصاب الاحتساب ص ۱۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعزیر کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے بلکہ اس کا معاملہ بھی حکومت کے سپرد ہے۔

وجائز ان یبلغ به ما رأی[۱] — حکومت جو مقدار مناسب سمجھے مقرر کرے۔

جرم کی نوعیت اور فاعل کی حالت کا لحاظ ضروری ہے اس بنا پر تعزیر کے احکام جرائم و احوال کے لحاظ سے مختلف ہوں گے۔

ویختلف حکمه باختلاف حاله وحال فاعله[۲] — تعزیر کے احکام اس کی حالت اور فاعل کی حالت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔

دوسری جگہ ہے :-

والتعزیر فی مقدار ذلك الی الامام ویبنی ذلك علی قدر جریمته[۳] — تعزیر کی مقدار حکومت کے سپرد ہے اور اس کا مدار جرم کی جسامت پر ہے۔

اگر بندہ کا کوئی حق متعلق نہ ہو یا اور کوئی مصلحت متقاضی ہو تو حکومت کو معاف کرنے کا حق ہے۔

جاز لولی الامر ان یراعی الاصلح فی العفو والتعزیر[۴] — معافی اور تعزیر میں جو اصلح ہو اس کی رعایت جائز ہے۔

تعزیر کا دائرہ نہایت وسیع ہے

تعزیر کا دائرہ کافی وسیع ہے اور ہر چھوٹے بڑے جرم میں تعزیر کی اجازت ہے۔

ان کل من ارتکب مجرما لیس فیه حد مقدر فانه یعزر[۵] — ہر ایسے جرم کے مرتکب پر تعزیر ہے جس میں حد جنایت نہیں مقرر ہے۔

دوسری جگہ ہے :

ویجب التعزیر فی جنایة لیست موجبة للحد[۶] — ہر ایسی جنایت میں تعزیر ہے جو حد کو نہیں واجب کرنے والی ہے۔ (باقی)

---

[۱] المحلی لابن حزم ج ۱۱ ص ۴۰۱۔ [۲] الاحکام ص ۲۰۵۔ [۳] المبسوط ج ۲۴ ص ۳۶۔ [۴] الاحکام ص ۲۰۷۔
[۵] المبسوط ج ۲۴ ص ۲۷۔ [۶] ایضاً۔

© rasailojaraid.com